QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

بچوں کی تربیت میں والد کی عدم توجہی کے نقصانات: سیرتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں ایک مطالعہ

The Harms of Parental Neglect in Child Upbringing: A Study in the Light of the Prophetic Seerah ﷺ

Muhammad Fazal Rasool M.Phil. Scholar
Department of Islamic Studies The Superior University Lahore, Pakistan
Email: fazalrasoolm@gmail.com
Muhammad Adnan
Department of Islamic Studies Ph.d Scholar The Islamia University of Bahwalpur, Pakistan
Email: madankhurshedi786@gmail.com
Hafiz Ejaz Ahmad
Department of Islamic Studies Ph.d Scholar The Islamia University of Bahwalpur, Pakistan
Email: roomimalik219@ gmail.com

Abstract

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ

"O you who have believed, protect yourselves and your families from a Fire whose fuel is people and stones".[1]

Divine revelation places the ultimate responsibility of safeguarding a family's spiritual and moral compass squarely on the shoulders of the father. The Prophet Muhammad (peace be upon him) practically demonstrated this divine mandate by manifesting immense affection, psychological support, and active engagement with children, effectively dismantling the harsh pre-Islamic patriarchal norms. In modern times, relentless economic pressures and unchecked materialistic pursuits have largely reduced the paternal role to mere financial provision. This study critically explores the psychological, moral, and social consequences of a father's emotional and physical absence on child development. Drawing upon a qualitative, text-based analysis of the Prophetic biography and classical Islamic jurisprudence alongside insights from modern psychology, the research investigates how paternal neglect fosters deep-seated emotional insecurities, rebellious behavior, and severe alienation from religious obligations. A father's active presence serves as an irreplaceable institutional pillar for cognitive and moral growth. When fathers distance themselves from the emotional and religious upbringing of their offspring, children inevitably become vulnerable to contemporary ideological crises, digital isolation, and moral decay. The Prophetic model directly counters this modern dilemma by emphasizing physical affection, open dialogue, mutual respect, and active religious mentoring. True child-rearing demands a holistic approach where fathers must reclaim their divinely ordained role as engaged moral guardians. Reintegrating the compassionate, attentive, and deeply involved methodology of the Prophet (peace be upon him) remains entirely essential for nurturing a resilient, confident, and spiritually grounded generation in today's fractured society.

Keywords : Paternal Neglect, Child Upbringing, Prophetic Biography, Islamic Parenting, Father Hunger, Family Psychology, Moral Development.

تعارف:

انسانی تہذیب و تمدن کی سب سے قدیم اور مضبوط اکائی خاندانی نظام ہے۔ ایک بچہ جب دنیا میں آنکھ کھولتا ہے تو اس کی شخصیت کے ابتدائی خدوخال اسی خاندانی ماحول میں ترتیب پاتے ہیں۔ اسلام نے اس اکائی کو ایک سماجی معاہدہ قرار نہیں دیا، اسے ایک ایسا مقدس ادارہ تسلیم کیا ہے جس کی بنیاد حقوق و فرائض کے ایک انتہائی متوازن نظام پر رکھی گئی ہے۔ اس نظامِ خانہ داری میں جہاں ماں کی گود کو پہلی درس گاہ کا درجہ حاصل ہے، وہیں والد کو اس عمارت کے ستون اور نگرانِ اعلیٰ کی حیثیت دی گئی ہے۔ عربی لغت کا عمیق مطالعہ کیا جائے تو لفظِ 'والد' خالصتاً اس شخص کے لیے استعمال ہوتا ہے جس کے نطفے سے بچے کی پیدائش عمل میں آئی ہو، جبکہ 'اَب'

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

کا لفظ زیادہ وسعت کا حامل ہے جو مربی اور سرپرست کے لیے بھی بولا جاتا ہے[2]۔ یہ لغوی فرق اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ اسلام میں باپ کا کام محض حیاتیاتی تسلسل کو برقرار رکھنا نہیں ہے، اس کا اصل منصب ایک فعال مربی کا ہے۔

قرآنِ مجید نے والد کے اس انتظامی اور حفاظتی کردار کو "قوامیت" سے تعبیر کیا ہے۔ قدرتِ خداوندی نے خاندانی نظام کی بنت میں مرد کو جو مرکزی حیثیت عطا کی ہے، اس کا ذکر کلامِ الٰہی میں یوں آیا ہے:

الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ وَبِمَا أَنفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ

ترجمہ: "مرد عورتوں پر قوام (محافظ اور منتظم) ہیں، اس بنا پر کہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے، اور اس بنا پر کہ مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔"[3]

عربی زبان اور اسلامی قانون میں قوام ہونے کا مطلب ڈکٹیٹر یا مطلق العنان حاکم ہونا نہیں ہے۔ اس کا حقیقی مفہوم خاندان کی دیکھ بھال کرنا، ان کے مفادات کا تحفظ کرنا اور انہیں ہر قسم کے بیرونی و داخلی خطرات سے محفوظ رکھنا ہے۔ والد کی یہ حیثیت خاندان کے نظم و ضبط کو برقرار رکھنے کے لیے ناگزیر سمجھی گئی ہے۔ جس طرح کسی بھی ادارے کو چلانے کے لیے ایک سربراہ کی ضرورت ہوتی ہے، بالکل اسی طرح خاندان جیسے حساس ادارے کی فلاح و بہبود کے لیے والد کو یہ مقام سونپا گیا ہے۔ والد کی اس ذمہ داری کو شریعت نے محض دنیاوی نہیں بلکہ اخروی جواب دہی کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اس تصور کو انتہائی واضح الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، فَالْإِمَامُ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالرَّجُلُ رَاعٍ فِي أَهْلِهِ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ

ترجمہ: "تم میں سے ہر شخص نگران ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ پس حکمران نگران ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا، اور مرد اپنے گھر والوں کا نگران ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔"[4]

ایک چرواہا اپنی بکریوں کے صرف چارے کا انتظام نہیں کرتا بلکہ وہ انہیں درندوں سے بچاتا ہے اور ان کی سلامتی کی ہمہ وقت فکر کرتا ہے۔ والد کو اپنے گھر کا "راعی" قرار دے کر شریعت نے یہ پیغام دیا ہے کہ بچوں کی اخلاقی، نظریاتی اور جسمانی حفاظت والد کی مسلسل اور انتھک توجہ کی متقاضی ہے۔ بدقسمتی سے عصرِ حاضر کے مادی تغیرات نے اس متوازن خاندانی ڈھانچے کو شدید نقصان پہنچایا ہے۔ آج کے دور میں باپ کے کردار کو عموماً ایک "معاشی مشین" یا اے ٹی ایم کے درجے تک گرا دیا گیا ہے۔ والد اپنی تمام تر توانائیاں دولت کمانے میں صرف کر دیتا ہے اور بچوں کی اخلاقی و روحانی پرورش سے عملی طور پر کٹ جاتا ہے۔ یہ عدم توجہی ایک ایسا خاموش زہر ہے جو نئی نسل کی رگوں میں اتر کر ان کی شخصیت کو کھوکھلا کر رہا ہے۔ علامہ محمد اقبال نے جدید صنعتی اور مادی دور کی اس سفاکی اور انسانی رشتوں کی پامالی کا نقشہ بڑے ہی دردمندانہ انداز میں کھینچا ہے:

ہے دل کے لیے موت مشینوں کی حکومت
احساسِ مروّت کو کچل دیتے ہیں آلات[5]

یہ مشینی طرزِ زندگی والد اور اولاد کے درمیان ایک ایسا گہرا خلیج پیدا کر چکا ہے جس کے اسباب کا عمیق مطالعہ وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔

بچوں کی تربیت میں والد کی عدم توجہی کے معاصر، معاشی اور معاشرتی اسباب

جدید معاشرے میں بچوں کی تربیت سے والد کی دوری اور عدم توجہی کسی ایک واقعے یا حادثے کا نتیجہ نہیں ہے، بلکہ یہ ان بے شمار معاشی، معاشرتی اور نفسیاتی عوامل کا ایک پیچیدہ مرکب ہے جنہوں نے مل کر خاندانی ترجیحات کا رخ موڑ دیا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کے غلبے نے کامیابی اور ترقی کے روایتی اخلاقی تصورات کو مسترد کر کے انہیں صرف مادی پیمانوں میں مقید کر دیا ہے۔ ایک والد اب خود کو بچوں کا اخلاقی نگران سمجھنے کے بجائے ایک مالیاتی کارندہ سمجھتا ہے۔

مادی مسابقت اور ترجیحات

عصرِ حاضر کی معاشی جدوجہد نے ترجیحات کا ایک سنگین تصادم پیدا کر دیا ہے۔ آج کا انسان مادی خوشحالی، اعلیٰ معیارِ زندگی اور تعیشات کے حصول کی ایک ایسی اندھی دوڑ میں شامل ہے جس کی کوئی منزل نہیں ہے۔ اس لامتناہی دوڑ نے والد کو گھر اور بچوں کی نفسیاتی تربیت سے کوسوں دور کر دیا ہے۔ وہ اپنے بچوں کو مہنگے ترین تعلیمی

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

اداروں، برانڈڈ ملبوسات اور جدید ترین گیجٹس تو فراہم کر دیتا ہے، مگر اپنا قیمتی وقت اور مشفقانہ قربت دینے سے قاصر رہتا ہے۔ انسان کی اس مادی ہوس کی طرف قرآنِ مجید نے نہایت بلیغ انداز میں اشارہ فرمایا ہے:

أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ حَتَّىٰ زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ

ترجمہ: "زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کی حرص نے تمہیں غافل کر دیا، یہاں تک کہ تم قبروں جا پہنچے۔"[6]

نامور اسلامی مفکر امام ابو حامد الغزالی بچوں کی تربیت کے حوالے سے اسی مادی غفلت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اولاد کے لیے مال جمع کرنے کی حرص انسان کو ان فرائض سے یکسر غافل کر دیتی ہے جو اس پر اولاد کی اخلاقی پرداخت کے حوالے سے عائد ہوتے ہیں[7]۔ والد کا یہ گمان کہ صرف مادی اشیاء کی فراہمی ہی اس کی کل ذمہ داری ہے، ایک بہت بڑی فکری لغزش ہے۔ روزگار کے جدید تقاضوں، طویل دفتری اوقات اور اوور ٹائم نے والد کو جسمانی اور اعصابی طور پر اس قدر نچوڑ دیا ہے کہ جب وہ دیر گئے گھر لوٹتا ہے، تو اس کے پاس بچوں کی باتیں سننے یا ان کے ساتھ کھیلنے کی کوئی توانائی باقی نہیں بچتی۔

بیرونِ ملک قیام

ترقی پذیر ممالک سے لاکھوں افراد روزگار کی تلاش میں خلیجی ممالک یا مغرب کی طرف ہجرت کرتے ہیں۔ اس عمل کے نتیجے میں ایک منقسم خاندان وجود میں آتا ہے۔ والد سالہا سال اپنے جگر گوشوں سے ہزاروں میل دور رہتا ہے اور خاندان کی کفالت محض رقوم بھیج کر کرتا ہے۔ تربیتِ اولاد کا عمل زبانی نصائح یا بینک ٹرانسفر کا نام نہیں ہے، یہ ایک مسلسل مشاہداتی عمل ہے۔ جب والد جسمانی طور پر گھر میں موجود نہیں ہوتا، تو بچہ ایک گہرے جذباتی اور نفسیاتی خلا کا شکار ہو جاتا ہے۔

عمرانیات اور نفسیات کے معروف محقق جیمز ہرزوگ نے اس کیفیت کو ایک مخصوص اصطلاح دی ہے۔ وہ اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"The profound emotional void left by a physically or emotionally absent father creates a permanent hunger in the child".

ترجمہ: "جسمانی یا جذباتی طور پر غیر حاضر باپ کا چھوڑا ہوا گہرا جذباتی خلا بچے کے اندر ایک مستقل بھوک پیدا کر دیتا ہے۔"[8]

اس "پدرانہ بھوک" کا شکار بچہ مردانہ رول ماڈل کی عدم موجودگی میں پروان چڑھتا ہے۔ لڑکوں کو استقامت اور جرات سیکھنے کے لیے باپ کی قربت درکار ہوتی ہے، جبکہ لڑکیوں کو اپنی شخصیت کی توثیق کے لیے باپ کی محبت کی ضرورت ہوتی ہے۔ بیرونِ ملک مقیم والد اپنی اس جسمانی دوری کا ازالہ اکثر مہنگے تحائف اور بے جا لاڈ پیار سے کرنے کی کوشش کرتا ہے، جس سے بچے مادی پرست اور خود غرض بن جاتے ہیں۔

خاندانی تنازعات اور طلاق کے اثرات

خاندان کے اندرونی حالات بچوں کی ذہنی نشوونما پر براہِ راست اثر انداز ہوتے ہیں۔ میاں بیوی کے درمیان روزمرہ کے جھگڑے، سرد جنگ اور بالآخر طلاق جیسے ناخوشگوار واقعات والد کو بچوں سے دور کرنے کا ایک بڑا سبب ہیں۔ جب گھر کا ماحول تناؤ کا شکار ہو، تو والد ذہنی سکون کی تلاش میں گھر سے باہر رہنے کو ترجیح دیتا ہے۔ وہ کام کے بعد گھر لوٹنے سے کتراتا ہے تاکہ روزمرہ کی بحث و تکرار سے بچ سکے۔ اس بیگانگی کا سب سے بڑا نقصان بچوں کو اٹھانا پڑتا ہے۔ اسلام نے زوجین کے تعلق کی بنیاد ہی سکون اور باہمی مودت پر رکھی ہے تاکہ اس کے سائے میں پروان چڑھنے والی نسل جذباتی طور پر مستحکم ہو:

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً

ترجمہ: "اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے جوڑے بنائے تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی۔"[9]

جب یہ رحمت اور سکون گھر سے رخصت ہو جاتا ہے تو بچے خود کو غیر محفوظ تصور کرنے لگتے ہیں۔ طلاق کی صورت میں یہ صورتحال مزید گھمبیر ہو جاتی ہے۔ قانونی جنگوں اور انا کے تصادم میں والد اکثر بچوں کی کفالت اور تربیت سے مکمل طور پر دستبردار ہو جاتا ہے، جس سے بچے زندہ ہوتے ہوئے بھی یتیمی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

اسکرین کی ایڈکشن

اکیسویں صدی میں ٹیکنالوجی اور اسمارٹ فونز نے خاندانی زندگی میں ایک ایسے خاموش حریف کا کردار ادا کیا ہے جس نے والد کی جسمانی موجودگی کے باوجود اسے بچوں کی زندگی سے غائب کر دیا ہے۔ آج کا باپ بچوں کے ساتھ ایک ہی کمرے میں صوفے پر بیٹھ کر بھی ان سے کوسوں دور ہوتا ہے، کیونکہ اس کی تمام تر توجہ موبائل اسکرین پر چلنے والی ویڈیوز یا سوشل میڈیا پر مرکوز ہوتی ہے۔

جدید نفسیات میں اس رویے کو "فبنگ" یعنی فون کی وجہ سے اپنے پاس بیٹھے شخص کو نظر انداز کرنا کہا جاتا ہے۔ جب ایک بچہ اپنے اسکول کی کوئی کہانی سنانے کے لیے باپ کے پاس آتا ہے اور باپ اسکرین سے نظریں ہٹائے بغیر ہوں ہاں میں جواب دیتا ہے، تو بچے کے معصوم ذہن پر یہ نقش بیٹھ جاتا ہے کہ وہ اور اس کے جذبات والد کے لیے قطعی غیر اہم ہیں۔ اس رویے نے معاشرے میں "ڈیجیٹل یتیمی" کو جنم دیا ہے۔ سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا مطالعہ کیا جائے تو آپ کا طرزِ عمل اس کے بالکل برعکس نظر آتا ہے۔ آپ کسی سے بھی گفتگو فرماتے تو اپنا مکمل دھیان اور توجہ اس شخص کی طرف مرکوز کر دیتے۔

كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَكَلَّمَ مَعَ رَجُلٍ أَقْبَلَ عَلَيْهِ بِوَجْهِهِ كُلِّهِ

ترجمہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم جب کسی شخص سے گفتگو فرماتے تو اپنا پورا چہرہ مبارک (اور توجہ) اس کی طرف پھیر لیا کرتے تھے۔"[10]

یہ التفات اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ بچے کی بات سنتے وقت والد اپنی تمام تر مصنوعی مصروفیات کو ترک کر کے اس کے قد کے برابر جھکے اور اس کی بات کو اہمیت دے۔ بچوں کے لیے والد کی توجہ کائنات کی سب سے قیمتی متاع ہوتی ہے۔ جب مادی اور تکنیکی اسباب کی بنا پر یہ توجہ چھن جاتی ہے، تو بچے متبادل سہاروں کی تلاش میں نکل کھڑے ہوتے ہیں، جو بالآخر ان کی اخلاقی اور نفسیاتی تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہوتا ہے۔

والد کی دوری سے بچوں پر مرتب ہونے والے نفسیاتی اثرات

انسانی شخصیت کی تعمیر ایک انتہائی نازک اور حساس عمل ہے جس کی بنیادیں بچپن کے ابتدائی تجربات پر استوار ہوتی ہیں۔ بچہ اپنی داخلی دنیا کا توازن اور خارجی دنیا سے نمٹنے کا حوصلہ اپنے والدین کے رویوں سے کشید کرتا ہے۔ ماں کی آغوش اسے محبت اور تحفظ کا ابتدائی احساس دیتی ہے، جبکہ باپ کا وجود اس کے لیے ایک مضبوط نفسیاتی لنگر کا کام کرتا ہے۔ جب ایک والد اپنے بچے کے لیے جذباتی سطح پر دستیاب نہیں ہوتا اور مادی مصروفیات کے باعث اس سے دوری اختیار کر لیتا ہے، تو بچے کے اندرون میں ایک ہولناک سناٹا اور ویرانی جنم لیتی ہے۔ میر تقی میر نے انسانی دل کی اس تباہی اور ویرانی کی جو منظر کشی کی ہے، وہ ایک غفلت زدہ بچے کی نفسیاتی کیفیت پر پوری اترتی ہے:

دل کی ویرانی کا کیا مذکور
یہ نگر سو مرتبہ لوٹا گیا[11]

جدید نفسیاتی علوم اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ باپ کی عدم موجودگی یا جذباتی سرد مہری بچے کو گہرے احساسِ کمتری اور عدم تحفظ کی کھائی میں دھکیل دیتی ہے۔ ماہرِ عمرانیات اور خاندانی نفسیات کے محقق ڈیوڈ پاپینو اس حوالے سے باپ کے ناگزیر کردار کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"Fathers are far more than just 'second adults' in the home. Involved fathers bring positive benefits to their children that no other person is as likely to bring".

ترجمہ: "باپ گھر میں 'دوسرے بالغ فرد' سے کہیں بڑھ کر ہوتے ہیں۔ ایک متوجہ اور شامل باپ اپنے بچوں کو وہ مثبت فوائد فراہم کرتا ہے جو کوئی اور شخص فراہم نہیں کر سکتا۔"[12]

ایک بچہ جب دیکھتا ہے کہ اس کا باپ اپنی دفتری زندگی یا ڈیجیٹل اسکرین کو اس کے جذبات اور باتوں پر ترجیح دے رہا ہے، تو وہ لاشعوری طور پر خود کو غیر اہم اور مسترد شدہ محسوس کرنے لگتا ہے۔ یہ احساس اس کی خود اعتمادی کو دیمک کی طرح چاٹ جاتا ہے اور وہ مستقل ذہنی دباؤ اور اضطراب کا مریض بن جاتا ہے۔

سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا عمیق مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ کائنات کے سب سے مصروف ترین اور عظیم ترین رہنما نے بچوں کی اس نفسیاتی اور جذباتی ضرورت کو کس قدر اہمیت دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے بچوں کو گلے لگانے، چومنے اور ان کے ساتھ والہانہ محبت کا اظہار کرنے کو اپنی سنت قرار دیا، تاکہ ان کے اندر احساسِ تحفظ پروان چڑھ سکے۔ ایک مرتبہ اقرع بن حابس التمیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو اپنے نواسے سیدنا حسن بن علی رضی اللہ

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

تعالیٰ عنہ کا بوسہ لیتے دیکھا تو حیرت سے اپنا جاہلانہ رویہ بیان کیا کہ میرے دس بیٹے ہیں لیکن میں نے کبھی کسی کو نہیں چوما۔ اس سرد مہری پر آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ایک ابدی اور آفاقی اصول ارشاد فرمایا:

مَنْ لَا يَرْحَمُ لَا يُرْحَمُ

ترجمہ: "جو رحم نہیں کرتا، اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔"[13]

یہ فرمانِ عالی شان اس بات کی واضح دلیل ہے کہ بچوں کے ساتھ جسمانی اور جذباتی محبت کا اظہار کرنا محض ایک طبعی میلان نہیں ہے، یہ ایک ایسا فریضہ ہے جس کی عدم ادائیگی انسان کو منشائے الٰہی کی رحمت سے دور کر دیتی ہے۔ والد کا شفیق لمس اور اس کی مسکراہٹ بچے کے دماغی خلیوں میں وہ اطمینان پیدا کرتی ہے جو دنیا کی کوئی قیمتی شے نہیں دے سکتی۔ جب باپ اپنے اس منصب سے روگردانی کرتا ہے، تو بچہ ایک ایسے خوف اور ذہنی الجھن کا شکار رہتا ہے جس کا ازالہ زندگی بھر ممکن نہیں ہو پاتا۔

والد کی عدم توجہی کے اثرات

والد کی عدم توجہی کے اثرات بچے کی داخلی دنیا کی ٹوٹ پھوٹ تک محدود نہیں رہتے، یہ لاوا جب باہر ابلتا ہے تو پورے معاشرے کے لیے تباہی کا سامان لے کر آتا ہے۔ ایک بچہ جو گھر میں باپ کی شفقت، رہنمائی اور تادیب سے محروم رہتا ہے، وہ اپنی شناخت اور اہمیت تسلیم کروانے کے لیے گھر سے باہر متبادل سہاروں کی تلاش شروع کر دیتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں سے سماجی انحراف اور اخلاقی بے راہ روی کا آغاز ہوتا ہے۔

بچے کی فطرت ابتداً بالکل پاکیزہ ہوتی ہے، اسے جس سانچے میں ڈھالا جائے وہ اسی کا روپ دھار لیتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اس کائناتی حقیقت کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ، فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ

ترجمہ: "ہر بچہ فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے والدین اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔"[14]

اس حدیثِ مبارکہ سے واضح ہوتا ہے کہ بچے کی فکری اور اخلاقی سمت کا تعین کرنے میں خاندانی سربراہ یعنی والد کا کردار سب سے فیصلہ کن ہوتا ہے۔ جب باپ اپنی اس نگہبانی کے فریضے سے غافل ہو جاتا ہے، تو بچہ گلی کوچوں اور غیر معتبر دوستوں کے ہتھے چڑھ جاتا ہے۔ علمِ جرمیات کے ماہر ایڈون سدرلینڈ اس سماجی بگاڑ کے عمل کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"Criminal behavior is learned in interaction with other persons in a process of communication".

ترجمہ: "مجرمانہ رویہ دوسرے افراد کے ساتھ ابلاغ اور میل جول کے عمل میں سیکھا جاتا ہے۔"[15]

باپ کی مربیانہ نظر نہ ہونے کی وجہ سے بچہ ایسی صحبت اختیار کر لیتا ہے جہاں قانون شکنی، منشیات کا استعمال اور اخلاقی حدود کی پامالی کو مردانگی اور بہادری کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ اسلام نے صحبت کے اس مقناطیسی اثر کو نہایت گہرائی کے ساتھ محسوس کیا ہے اور والدین کو بچوں کی رفاقت پر کڑی نظر رکھنے کی تلقین کی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اچھے اور برے دوست کی پہچان کرواتے ہوئے ارشاد فرمایا:

إِنَّمَا مَثَلُ الْجَلِيسِ الصَّالِحِ وَالْجَلِيسِ السَّوْءِ كَمَثَلِ صَاحِبِ الْمِسْكِ وَكِيرِ الْحَدَّادِ

ترجمہ: "نیک اور برے ساتھی کی مثال کستوری والے اور لوہار کی بھٹی دھونکنے والے کی طرح ہے۔"[16]

لوہار کی بھٹی سے نکلنے والی چنگاریاں جس طرح کپڑوں کو جلا دیتی ہیں، بالکل اسی طرح باپ کی عدم توجہی کے باعث ملنے والی بری صحبت بچے کے اخلاقی وجود کو خاکستر کر دیتی ہے۔ وہ بچہ جو گھر سے پیار اور وقت نہ ملنے کی وجہ سے غصے میں بھرا ہوتا ہے، وہ ان آوارہ عناصر کے ہاتھوں میں کھلونا بن جاتا ہے۔ وہ معاشرے کے اصولوں، خاندانی روایات اور بزرگوں کے احترام سے کھلی بغاوت پر اتر آتا ہے۔ اکبر الہ آبادی نے مربیانہ کردار کے اس زوال اور جدید دور میں پیدا ہونے والی اس باغیانہ روش کی کتنی سچی منظر کشی کی ہے:

ہم ایسی کل کتابیں قابلِ ضبطی سمجھتے ہیں
کہ جن کو پڑھ کے لڑکے باپ کو خبطی سمجھتے ہیں[17]

بچے کا یہ باغیانہ رویہ دراصل اس کی اس پکار کا ردِ عمل ہوتا ہے جو اس نے اپنے باپ کی توجہ حاصل کرنے کے لیے کی ہوتی ہے اور جسے مستقل ان سنا کر دیا جاتا ہے۔ باپ کی طرف سے ملنے والی یہ مجرمانہ خاموشی اسے ایک ایسے راستے پر ڈال دیتی ہے جہاں سے واپسی انتہائی کٹھن ہو جاتی ہے، اور وہ اپنے ہی خاندان اور معاشرے کے لیے ایک ناقابلِ حل مسئلہ بن کر ابھرتا ہے۔

دینی تعلیم اور عبادات سے محبت میں باپ کا کردار

انسانی شخصیت کی کج روی سماجی انحراف یا اخلاقی گراوٹ کے دائرے تک محدود نہیں رہتی، یہ خاموشی سے روح کی گہرائیوں میں اتر کر انسان کے مابعد الطبیعیاتی نظریات اور مذہبی وابستگی کو بھی جڑ سے اکھاڑ دیتی ہے۔ جب ایک گھرانے میں باپ، جو کہ نظریاتی اور عملی طور پر خاندان کا محافظ اور دینی اقدار کا اولین داعی ہوتا ہے، اپنی اس ناگزیر ذمہ داری سے غافل ہو جاتا ہے تو گھر کا ایمانی ماحول بتدریج سرد پڑنے لگتا ہے۔ مادی و دنیوی مصروفیات کے بوجھ تلے دب کر باپ اپنی اولاد کی فکری اور روحانی نشو و نما سے ناطہ توڑ لیتا ہے، جس کا سب سے پہلا اور مہلک وار بچے کے ایمان اور اس کی عبادات پر پڑتا ہے۔ بچے کے دل میں خالقِ کائنات کی محبت اور شریعت کی پاسداری کوئی خود بخود پیدا ہونے والا جذبہ نہیں ہے، یہ اس مسلسل پدری تربیت اور خاندانی ماحول کا ثمر ہوتا ہے جہاں عملی طور پر ربانی تعلیمات کا بول بالا ہو۔

بچے کی فکری بالیدگی اور ذاتِ باری تعالیٰ کے ساتھ اس کے شعوری تعلق کی اساس بچپن کے انہی ابتدائی سالوں میں رکھی جاتی ہے جب اس کا ذہن و قلب پدری اثرات کو گہرائی سے جذب کر رہے ہوتے ہیں۔ نفسیاتِ مذہب کے ماہرین اس حقیقت پر متفق ہیں کہ بچے کے تصورِ خدا کی تشکیل میں اس کے حقیقی والد کا کردار سب سے نمایاں اور فیصلہ کن ہوتا ہے۔ معروف محققہ اینا ماریا ریزوٹو اپنی تصنیف میں اسی نفسیاتی الجھن کو ان الفاظ میں بیان کرتی کرتی ہیں:

"The child's concept of God is heavily influenced by the parental figures, particularly the father, who serves as the primary model of authority and protection".

ترجمہ: "بچے کا تصورِ خدا والدین، بالخصوص والد کی شخصیت سے گہرے طور پر متاثر ہوتا ہے، جو اختیار اور تحفظ کے بنیادی نمونے کے طور پر کام کرتا ہے۔"

18

پدری شفقت اور توجہ سے محروم بچہ خود کو ایک ایسے لاوارث وجود کی طرح محسوس کرتا ہے جس کا مادی اور روحانی دنیا میں کوئی والی وارث نہ ہو۔ یہ نفسیاتی خلا اس کے اندر ایک ایسا فکری اضطراب پیدا کرتا ہے جو اسے مذہب، ایمان اور خالق کی ذات پر بھروسہ کرنے سے روک دیتا ہے۔ وہ لاشعوری طور پر یہ سمجھ بیٹھتا ہے کہ جب اس کا دنیاوی باپ اس کے دکھ درد سے غافل تھا، تو مابعد الطبیعیاتی رب کو اس کی کیا پرواہ ہو گی۔

البرٹ بانڈورا کا "سماجی تعلم کا نظریہ" اس بات پر زور دیتا ہے کہ انسان اپنے رویے اور عادات مشاہدے اور نقل کے ذریعے پروان چڑھاتا ہے[19]۔ بچہ اخلاق اور مذہبی رویے کتابوں سے پڑھنے کے بجائے اپنے رول ماڈل یعنی والد کو دیکھ کر سیکھتا ہے۔ جب ایک بچہ روزانہ یہ دیکھتا ہے کہ اس کا باپ اذان کی آواز سنتے ہی تمام دنیاوی معاملات پسِ پشت ڈال کر مسجد کی طرف دوڑتا ہے، تو اس کے معصوم ذہن میں یہ بات نقش ہو جاتی ہے کہ نماز کائنات کی سب سے اہم حقیقت ہے۔ اس کے برعکس، جب باپ نماز سے جی چراتا ہے یا سارا دن گھر میں موجود رہنے کے باوجود عبادات کی طرف مائل نہیں ہوتا، تو بچہ لاشعوری طور پر یہ پیغام لیتا ہے کہ مذہب ایک ثانوی چیز ہے جس کا حقیقی زندگی کے معاملات سے کوئی واسطہ نہیں۔

قرآنِ مجید نے خاندانی سربراہ کو نماز کے قیام اور رزق کی دوڑ کے مابین ترجیحات متعین کرنے کا نہایت واضح حکم دیا ہے:

وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۖ لَا نَسْأَلُكَ رِزْقًا ۖ نَّحْنُ نَرْزُقُكَ

ترجمہ: "اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیجیے اور خود بھی اس پر قائم رہیے، ہم آپ سے روزی کے طلب گار نہیں ہیں، بلکہ ہم خود آپ کو روزی دیتے ہیں۔"

20

موجودہ دور کا ایک بڑا المیہ یہ ہے کہ آباء اپنی اولاد کے لیے مادی رزق اور اچھے تعلیمی اداروں کی بھاری فیسوں کے حصول میں دن رات ایک کر دیتے ہیں، لیکن ان کی آخرت کی زندگی اور عبادات کے معاملے میں بالکل لاپرواہ رہتے ہیں۔ علامہ محمد اقبال نے اس مادی تعلیم اور روح سے خالی نظامِ تربیت پر بڑی گہری چوٹ کی ہے:

خرد نے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل

دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں[21]

نماز کی یہ تربیت کوئی وقتی نصیحت کا نام نہیں ہے، اس کے لیے ایک باقاعدہ اور طویل مدتی لائحہ عمل کی ضرورت ہوتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اس تربیتی تسلسل کی بنیادیں عمر کے لحاظ سے مقرر فرمائی ہیں:

مُرُوا أَوْلَادَكُمْ بِالصَّلَاةِ وَهُمْ أَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِينَ، وَاضْرِبُوهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ أَبْنَاءُ عَشْرِ سِنِينَ

ترجمہ: "اپنی اولاد کو نماز کا حکم دو جب وہ سات سال کے ہوں، اور دس سال کی عمر میں (نماز نہ پڑھنے پر) انہیں تنبیہ کرو۔"[22]

سات سے دس سال کا عرصہ ایک مسلسل مشق اور توجہ کا متقاضی ہے۔ ان تین سالوں میں باپ نے روزانہ پانچ مرتبہ بچے کو پیار سے اپنے ساتھ نماز کے لیے تیار کرنا ہوتا ہے۔ جب باپ اس اہم ترین فریضے سے غافل ہو کر بچے کو اس کے حال پر چھوڑ دیتا ہے، تو بلوغت کی عمر کو پہنچتے پہنچتے بچہ نماز سے بالکل بیگانہ ہو چکا ہوتا ہے۔ وہ عبادات کو ایک گراں بار بوجھ محسوس کرنے لگتا ہے، اور یہ بیگانگی اسے رفتہ رفتہ جدید دور کے لادینی افکار اور الحادی لہروں کے سامنے بالکل نہتا کر دیتی ہے۔

اسلوبِ نبوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی روشنی میں بچوں سے شفقت

عرب کے جاہلی معاشرے میں بچوں کے ساتھ سخت گیری، درشتی اور عدم التفات کو وقار اور مردانگی کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ بچوں پر رعب جھاڑنا اور ان کے جذبات کو روند دینا ایک عام تمدنی چلن تھا۔ ایسے سنگلاخ اور سنگ دل ماحول میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے رحمتِ الٰہی کے مجسم پیکر کے طور پر ظہور فرمایا اور کائنات کو یہ سکھایا کہ بچوں پر شفقت کرنا دین کی بنیادی اساسات میں سے ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے بچوں کے ساتھ محبت کا وہ اچھوتا، نرم اور عمیق رویہ اختیار کیا جس کی مثال تاریخ انسانیت میں ناپید ہے۔

تربیتِ اطفال میں سب سے نازک مرحلہ بچے کی عزتِ نفس کو مجروح ہونے سے بچانا ہے۔ اکثر معاشروں میں یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ بچے چونکہ کم عمر اور ناسمجھ ہوتے ہیں، اس لیے ان کی کوئی عزتِ نفس نہیں ہوتی اور انہیں کسی بھی وقت، سب کے سامنے جھڑکا یا ذلیل کیا جا سکتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اس سوچ پر کاری ضرب لگائی اور بچوں کی تکریم کا صریح حکم صادر فرمایا:

أَكْرِمُوا أَوْلَادَكُمْ وَأَحْسِنُوا أَدَبَهُمْ

ترجمہ: "اپنے بچوں کی عزت کرو اور ان کے آداب (تربیت) کو بہترین بناؤ۔"[23]

اس حدیث میں اکرام اولاد یعنی بچوں کی عزت کرنے کو تربیت سے پہلے ذکر کیا گیا ہے۔ ماہرینِ عمرانیات اس کی حکمت یہ بیان کرتے ہیں کہ بہترین تربیت اسی صورت میں ممکن ہے جب بچے کے اندر اپنی عزت اور اہمیت کا احساس موجود ہو۔ عظیم مسلم مورخ اور مفکر علامہ عبد الرحمن بن خلدون اس حوالے سے ایک انتہائی بلیغ نکتہ بیان کرتے ہیں کہ بچوں پر حد سے زیادہ سختی اور ان کی توہین ان کے اندر سے کام کرنے کی امنگ ختم کر دیتی ہے اور وہ جھوٹ کا سہارا لینے لگتے ہیں:

مَنْ كَانَ مُرَبَّاهُ بِالْعَسْفِ وَالْقَهْرِ... سَطَا بِهِ الْقَهْرُ، وَضَيَّقَ عَنِ النَّفْسِ فِي انْبِسَاطِهَا

ترجمہ: "جس کی تربیت سختی اور قہر کے ساتھ کی گئی ہو، قہر اس پر غالب آ جاتا ہے اور اس کے نفس کی وسعتوں کو تنگ کر دیتا ہے۔"[24]

آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اس تکریم کو الفاظ تک محدود نہیں رکھا بلکہ اپنی عملی زندگی میں اسے مجسم کر کے دکھایا۔ مجلسِ نبوی ﷺ میں بچوں کو بڑوں کے برابر حقوق اور احترام دیا جاتا تھا۔ سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں پینے کے لیے کوئی چیز پیش کی گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے دائیں جانب ایک کم عمر لڑکا بیٹھا ہوا تھا اور بائیں جانب قبیلے کے عمر رسیدہ بزرگ تشریف فرما تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اس بچے کی عزتِ نفس کا احترام کرتے ہوئے اس سے انتہائی نرمی سے اجازت طلب فرمائی:

أَتَأْذَنُ لِي أَنْ أُعْطِيَ الْأَشْيَاخَ

ترجمہ: "کیا تم مجھے اجازت دیتے ہو کہ میں یہ پیالہ پہلے ان بزرگوں کو دے دوں؟"[25]

ایک بچے کو کائنات کے سب سے عظیم رہنما کی طرف سے اس قدر اہمیت دیا جانا، اس کے اندر خود اعتمادی کا کتنا بڑا سمندر موجزن کر دیتا ہوگا، اس کا اندازہ بآسانی لگایا جا سکتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے مروّجہ سماجی مصلحتوں کی خاطر ایک بچے کے حق کو پامال نہیں ہونے دیا۔ بچوں کی اس جذباتی پرداخت اور دلجوئی کی اہمیت پر علامہ اقبال کے کلام کی یہ بازگشت بہت معنی خیز محسوس ہوتی ہے جہاں محبت کی طاقت کا اعتراف کیا گیا ہے:

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں[26]

شفقتِ پدری کی فراہمی میں جسمانی قربت اور محبت کا اظہار بچے کے ذہن پر انمٹ نقوش چھوڑتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا معمول تھا کہ مدینہ کی گلیوں سے گزرتے ہوئے بچوں کو سلام میں پہل فرماتے اور انہیں اپنی سواری پر آگے یا پیچھے بٹھا لیتے۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے بچوں پر شفقت نہ کرنے والوں کے لیے سخت وعید بھی سنائی ہے تاکہ خاندانی نظام میں محبت کا یہ عنصر کبھی معدوم نہ ہونے پائے: لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا وَيَعْرِفْ شَرَفَ كَبِيرِنَا ترجمہ: "وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کے شرف (عزت و مقام) کو نہ پہچانے۔"[27]

یہ اسلوبِ نبوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہمیں سکھاتا ہے کہ بچوں کے ساتھ سختی اور درشتی کا راستہ اختیار کرنا کسی بھی صورت شریعت کا منشا نہیں ہے۔ جو باپ اپنے بچے کی تکریم کرتا ہے، اس کی رائے کا احترام کرتا ہے اور اس کی چھوٹی چھوٹی کامیابیوں پر اسے شاباش دیتا ہے، وہ درحقیقت اس کے اندر سچائی، خود اعتمادی اور قائدانہ صلاحیتوں کی وہ عمارت تعمیر کر رہا ہوتا ہے جسے دنیا کا کوئی بھی طوفان مسمار نہیں کر سکتا۔

نبی کریم ﷺ کا منہجِ تربیت اور دورِ حاضر کے تقاضے

انسانی شخصیت کی تعمیر کوئی ایسا خودکار عمل نہیں جو وقت گزرنے کے ساتھ پختگی اختیار کر لے، بلکہ یہ ایک مسلسل اور شعوری ریاضت کا تقاضا کرتا ہے۔ بچے کے ذہن کو کفر، تشکیک اور اخلاقی پستی سے بچا کر توحید اور ایمانیات کی روشنی سے روشناس کرانا والد کا اولین فریضہ ہے۔ جدید دور کے سیکولر اور مادی ماحول میں بچوں کے عقائد کا تحفظ اور ان کے دلوں میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی محبت پیدا کرنا ایک کٹھن مگر ناگزیر ذمہ داری بن چکا ہے۔ علم نفسیات اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ بچے نصیحتوں سے زیادہ عملی نمونے کو اپناتے ہیں۔ نفسیات کے معروف محقق البرٹ بانڈورا اس مشاہداتی عمل کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"Human behavior is learned observationally through modeling: from observing others, one forms an idea of how new behaviors are performed".

ترجمہ: "انسانی رویے مشاہدے اور تقلید کے ذریعے سیکھے جاتے ہیں: دوسروں کو دیکھ کر انسان یہ تصور قائم کرتا ہے کہ نئے رویوں کو کس طرح سرانجام دینا ہے۔"[28]

یہ سائنسی حقیقت چودہ سو سال قبل اسلامی نظامِ تربیت کی بنیاد کے طور پر پیش کر دی گئی تھی۔ والد گھر کے اندر اخلاق، وقار اور اقتدار کی علامت ہوتا ہے۔ جب ایک باپ خود سچائی، دیانت اور عبادات کا پیکر بنتا ہے، تو بچہ بغیر کسی جبر کے ان صفات کو اپنے وجود کا حصہ بنا لیتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے بچوں کی فکری اور عقائدی پرداخت کے لیے جو اسلوب اختیار فرمایا، وہ انتہائی مشفقانہ اور عقلی استدلال پر مبنی تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے نابالغ بچوں کے کچے ذہنوں میں توحید اور توکلِ الٰہی کے بیج اس خوبصورتی سے بوئے کہ وہ زندگی کے ہر طوفان میں ثابت قدم رہے۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنے بچپن کا ایک نہایت ایمان افروز واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن وہ سواری پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پیچھے بیٹھے تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے انہیں مخاطب کر کے فرمایا: يَا غُلَامُ إِنِّي أُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ، احْفَظِ اللَّهَ يَحْفَظْكَ، احْفَظِ اللَّهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ، إِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللَّهَ، وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللَّهِ ترجمہ: "اے لڑکے! میں تمہیں چند کلمات سکھاتا ہوں: تم اللہ کے احکام کی حفاظت کرو، اللہ تمہاری حفاظت فرمائے گا۔ تم اللہ کو یاد رکھو، اسے اپنے سامنے پاؤ گے۔ جب تم کچھ مانگو تو صرف اللہ سے مانگو، اور جب مدد طلب کرو تو صرف اللہ سے مدد طلب کرو۔"[29]

اس مکالمے پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ایک بچے کو دنیا کمانے کے گر سکھانے کے بجائے اسے کائنات کے سب سے بڑے سچ سے متعارف کروایا۔ آج کے والد کی گفتگو عموماً مستقبل کے کیریئر، نوکری کے حصول اور دنیاوی مقابلے کے گرد گھومتی ہے۔ یہ مادی ترجیحات بچے کو دنیاوی دوڑ میں تو شامل کر دیتی ہیں، مگر اس کی روح کو کھوکھلا کر دیتی ہیں۔ اخلاقی تربیت کے دائرے میں والد کی یہ فکری رہنمائی بچے کے لیے دنیا اور آخرت کا سب سے قیمتی اثاثہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے باپ کی طرف سے ملنے والی اسی اخلاقی تربیت کو سب سے بڑا تحفہ قرار دیا ہے:

مَا نَحَلَ وَالِدٌ وَلَدًا مِنْ نَحْلٍ أَفْضَلَ مِنْ أَدَبٍ حَسَنٍ

ترجمہ: "کسی باپ نے اپنی اولاد کو اچھے ادب اور بہترین اخلاق سے بڑھ کر کوئی عطیہ (تحفہ) نہیں دیا۔"[30]

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

اخلاقیات اور فکری بالیدگی کا یہ سفر کسی جبری ماحول میں طے نہیں ہو سکتا۔ اگر والد حد سے زیادہ سخت گیر ہو اور بچوں کے سوالات کو گستاخی سمجھ کر دبا دے، تو بچوں کی تنقیدی اور فکری صلاحیتیں مفلوج ہو جاتی ہیں۔ علامہ محمد اقبال نے نوجوان نسل کی اسی عقابی روح کو بیدار کرنے کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں
نظر آتی ہے ان کو اپنی منزل آسمانوں میں [31]

منزلوں کا یہ شعور اسی وقت پروان چڑھتا ہے جب باپ بچے کے ساتھ ایک تعمیری مکالمہ قائم کرے۔ وہ اس کے تجسس کا احترام کرے، اس کے عقلی سوالات کے تسلی بخش جوابات دے اور اسے مادی فلسفوں کی تاریکی سے نکال کر روشنی کی طرف لے آئے۔

والد کے کردار کی بحالی کے لیے انفرادی اور اجتماعی اقدامات

خاندانی نظام کو درپیش اس سنگین بحران کا علاج وعظ و نصیحت تک محدود نہیں رہ سکتا۔ والد کو اپنے مربیانہ کردار کی طرف واپس لانے کے لیے انفرادی سطح پر رویوں کی تبدیلی اور اجتماعی سطح پر تنظیمی اور ادارہ جاتی اصلاحات ناگزیر ہیں۔ جب تک مادی دوڑ میں مگن باپ اپنی ترجیحات کا از سرِ نو تعین نہیں کرے گا، نئی نسل کو ذہنی اور اخلاقی تباہی سے بچانا ممکن نہیں ہو گا۔

انفرادی سطح پر سب سے پہلا قدم بچوں کے لیے "معیاری وقت" کا تعین ہے۔ وقت نکالنے کا مطلب یہ نہیں کہ باپ ایک ہی کمرے میں صوفے پر بیٹھ کر موبائل فون استعمال کر تا رہے اور بچہ اپنے کھلونوں میں مگن رہے۔ فعال اور بامقصد وقت وہ ہے جس میں باپ بچے کی آنکھوں میں دیکھ کر بات کرے، اس کے دن بھر کے احوال سنے اور اس کے ساتھ کھیل کود میں شریک ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی زندگی ریاستی اور دعوتی مصروفیات کا مرقع تھی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے بچوں کے ساتھ ہنسی مذاق اور ان کے جذبات کو سمجھنے میں کبھی کوتاہی نہیں برتی۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چھوٹے بھائی کا پرندہ مر گیا تو آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اس بچے کی دلجوئی کے لیے تشریف لے گئے اور اس سے مسکرا کر پوچھا:

يَا أَبَا عُمَيْرٍ مَا فَعَلَ النُّغَيْرُ

ترجمہ: "اے ابو عمیر! تمہاری ننھی چڑیا کا کیا بنا؟" [32]

ایک عظیم المرتبت قائد کا ایک چھوٹے بچے کے غم میں شریک ہونا اور اس سے اس کی ذہنی سطح پر آکر گفتگو کرنا، ہر باپ کے لیے یہ سبق ہے کہ بچوں کے چھوٹے چھوٹے دکھ اور خوشیاں ان کے لیے کتنی اہمیت رکھتے ہیں۔ باپ کا فرض ہے کہ وہ دفتری تھکاوٹ کو گھر کی دہلیز پر چھوڑ کر اندر داخل ہو اور بچوں کے لیے ایک شفیق دوست کا روپ دھار لے۔

اجتماعی اور معاشرتی سطح پر والد کے کردار کو بحال کرنے کے لیے تعلیمی اداروں اور فلاحی تنظیموں کو آگے آنا ہو گا۔ نکاح سے قبل نوجوانوں کے لیے باقاعدہ "خاندانی تربیت" کے کورسز لازمی قرار دیے جائیں، جہاں انہیں بتایا جائے کہ باپ بننا محض مادی ضروریات کی تکمیل کا نام نہیں۔ یہ ایک نسل کی نظریاتی و اخلاقی پرداخت کی ذمہ داری ہے۔ امام ابن قیم الجوزیہ نے اپنے دور میں ہی والدین کی اس غفلت اور اس کے ہولناک نتائج پر خبردار کر دیا تھا:

وَأَكْثَرُ الْأَوْلَادِ إِنَّمَا جَاءَ فَسَادُهُمْ مِنْ قِبَلِ الْآبَاءِ وَإِهْمَالِهِمْ لَهُمْ، وَتَرْكِ تَعْلِيمِهِمْ فَرَائِضَ الدِّينِ وَسُنَنَهُ

ترجمہ: "اور اکثر بچوں کا بگاڑ خود ان کے والدین (آباء) کی غفلت اور ان کی طرف سے لاپروائی کی وجہ سے آتا ہے، کیونکہ وہ انہیں دین کے فرائض اور سنتیں سکھانا چھوڑ دیتے ہیں۔" [33]

اسکولوں اور جامعات کے نصاب میں بھی ایسی تبدیلیاں لائی جانی چاہئیں جو کیریئر اور روزگار کے بجائے طلبہ کو ایک ذمہ دار خاندانی فرد بننے کی تعلیم دیں۔ میڈیا اور ذرائع ابلاغ کو اپنا کردار ادا کرتے ہوئے باپ کے اس روایتی اور منفی تصور کو ختم کرنا ہو گا جس میں اسے ایک سخت گیر یا بے پرواہ انسان کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ جب معاشرے کا ہر ادارہ مل کر والد کو اس کی حقیقی قوامیت اور مربیانہ عظمت کا احساس دلائے گا، تو وہ خاموش تنزلی جو آج مسلم گھرانوں کو اندر سے کھوکھلا کر رہی ہے، اس کا راستہ روکا جا سکے گا۔ خاندانی نظام کا یہی وہ استحکام ہے جس پر پوری امتِ مسلمہ کے مستقبل کا انحصار ہے۔ علامہ اقبال نے فرد اور قوم کے اسی گہرے ربط کو ان خوبصورت الفاظ میں سمو دیا ہے:

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

ہر فرد ہے ملّت کے مقدّر کا ستارا[34]

نتائج بحث

زیر نظر مقالے میں قرآن وسنت، سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور جدید نفسیاتی و عمرانی علوم کی روشنی میں کی گئی تفصیلی بحث کے بعد درج ذیل اہم اور بنیادی نتائج روزِ روشن کی طرح عیاں ہو کر سامنے آئے ہیں:

- اسلامی خاندانی نظام میں والد کا کردار معاشی کفالت تک محدود نہیں، بلکہ وہ بچے کی فکری، اخلاقی اور روحانی تربیت کا بنیادی ذمہ دار اور نگرانِ اعلیٰ ہے۔
- موجودہ دور کی مادی مسابقت، معاشی دباؤ اور ڈیجیٹل اسکرینز کے بے جا استعمال نے باپ اور بچوں کے درمیان ایک گہرا جذباتی اور ابلاغی خلا پیدا کر دیا ہے۔
- والد کی عدم توجہی اور شفقت سے محروم بچے شدید احساسِ کمتری، ذہنی دباؤ اور نفسیاتی عدم تحفظ جیسی پیچیدہ الجھنوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔
- باپ کی مربیانہ اور دوستانہ نگرانی کے فقدان کے باعث بچے سماجی انحراف، بری صحبت اور مجرمانہ سرگرمیوں کی طرف با آسانی مائل ہو جاتے ہیں۔
- خاندانی سربراہ کا عبادات اور دینی فرائض سے غافل ہونا بچوں کے اندر لادینیت، فکری تشکیک اور مذہبی اقدار سے بیگانگی کو جنم دیتا ہے۔
- سیرتِ طیبہ میں بچوں کے ساتھ کھیل کود، محبت بھرے لمس، عدل اور ان کی عزتِ نفس کے تحفظ کو متوازن شخصیت کی تعمیر کے لیے ناگزیر قرار دیا گیا ہے۔

تجاویز وسفارشات

اس تحقیقی مطالعے سے حاصل ہونے والے نتائج کی روشنی میں معاشرتی اصلاح، والد کے مربیانہ کردار کی بحالی اور خاندانی نظام کے استحکام کے لیے درج ذیل عملی تجاویز پیش کی جاتی ہیں:

- شادی سے قبل نوجوانوں کے لیے باقاعدہ خاندانی تربیت کے لازمی کورسز متعارف کروائے جائیں تاکہ انہیں اپنی آئندہ مربیانہ ذمہ داریوں کا مکمل شعور حاصل ہو سکے۔
- والد کو چاہیے کہ وہ اپنی معاشی مصروفیات اور خاندانی زندگی میں توازن قائم کرے اور روزانہ کی بنیاد پر بچوں کے لیے معیاری وقت لازمی مختص کرے۔
- گھروں میں ڈیجیٹل آلات کے استعمال کو محدود کر کے باہمی مکالمے اور دوستانہ خاندانی نشستوں کو فروغ دیا جائے تاکہ باپ اور اولاد کی جذباتی دوری کا خاتمہ ہو۔
- تعلیمی اداروں کے نصاب میں اسلامی معاشرت، والدین کے فرائض اور بچوں کی تربیت کے حوالے سے سیرتِ نبوی ﷺ پر مبنی خصوصی ابواب شامل کیے جائیں۔
- مساجد کے ائمہ اور علماء کرام خطباتِ جمعہ کے ذریعے والد کی اخلاقی و تربیتی ذمہ داریوں اور اسوۂ رسول کو کثرت سے بیان کر کے معاشرتی شعور بیدار کریں۔
- ذرائع ابلاغ (میڈیا) ڈراموں اور پروگراموں کے ذریعے والد کے روایتی غافل تصور کے بجائے ایک شفیق، فعال اور ذمہ دار مربی کے مثبت تشخص کو اجاگر کرے۔
- ریاستی و حکومتی سطح پر اداروں میں ملازمین کے لیے خاندانی رخصت اور اوقاتِ کار میں توازن کی پالیسیاں وضع کی جائیں تاکہ والد اپنے خاندانی حقوق با آسانی ادا کر سکے۔

حوالہ جات

[1] التحریم،6:66

[2] الاصفہانی، الحسین بن محمد الراغب، مفردات الفاظ القرآن، دمشق: دار القلم، 1412ھ، 884

[3] النساء، 34:4

[4] البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، بیروت: دار طوق النجاۃ، 1422ھ، جلد 2، صفحہ 5، حدیث: 893

[5] اقبال، محمد، کلیاتِ اقبال (اردو)، بالِ جبریل، لاہور: اقبال اکیڈمی پاکستان، 1990ء، صفحہ 410

[6] التکاثر، 102:1-2

[7] الغزالی، ابو حامد محمد بن محمد، احیاء علوم الدین، بیروت: دار المعرفۃ، 1983ء، جلد 3، صفحہ 72

[8] Herzog, James, Father Hunger: Explorations with Adults and Children, Hillsdale, NJ: Analytic Press, 2001, 45

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

[9] الروم، 21:30

[10] الترمذی، ابو عیسیٰ، الشمائل المحمدیۃ، بیروت: دار الحدیث، 1988ء، صفحہ 102

[11] میر، میر تقی، کلیاتِ میر، لاہور: مجلس ترقی ادب، 1968ء، جلد 1، صفحہ 243

[12] Popenoe, David, Life Without Father, New York: Martin Kessler Books, 1996, 163

[13] البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، بیروت: دار طوق النجاۃ، 1422ھ، جلد 8، صفحہ 8، حدیث: 5997

[14] البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، بیروت: دار طوق النجاۃ، 1422ھ، جلد 2، صفحہ 94، حدیث: 1385

[15] Sutherland, Edwin H., Principles of Criminology, Philadelphia: J.B. Lippincott, 1947, 6

[16] البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، بیروت: دار طوق النجاۃ، 1422ھ، جلد 7، صفحہ 134، حدیث: 5534

[17] الہ آبادی، اکبر، کلیاتِ اکبر، دہلی: اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، 1989ء، صفحہ 145

[18] Rizzuto, Ana-Maria, The Birth of the Living God, Chicago: University of Chicago Press, 1979, 45

[19] Bandura, Albert, Social Learning Theory, Englewood Cliffs: Prentice-Hall, 1977, 22

[20] طٰہ، 132:20

[21] اقبال, محمد, کلیاتِ اقبال (اردو), ضربِ کلیم, لاہور: اقبال اکیڈمی پاکستان, 1990ء, صفحہ 521

[22] السجستانی، ابو داود سلیمان بن الاشعث، سنن ابی داود، صیدا: المکتبۃ العصریۃ، بے تاریخ، جلد 1، صفحہ 133، حدیث: 495

[23] ابن ماجہ، محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ، بیروت: دار إحیاء التراث العربی، 1975ء، جلد 2، صفحہ 1211، حدیث: 3671

[24] ابن خلدون، عبد الرحمن بن محمد، مقدمۃ ابن خلدون، بیروت: دار القلم، 1984ء، صفحہ 540

[25] البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، بیروت: دار طوق النجاۃ، 1422ھ، جلد 3، صفحہ 119، حدیث: 2351

[26] اقبال، محمد، کلیاتِ اقبال (اردو)، بانگِ درا، لاہور: اقبال اکیڈمی پاکستان، 1990ء، صفحہ 293

[27] الترمذی، محمد بن عیسیٰ، سنن الترمذی، بیروت: دار الغرب الإسلامی، 1998ء، جلد 3، صفحہ 443، حدیث: 1920

[28] Bandura, Albert, Social Learning Theory, Englewood Cliffs: Prentice-Hall, 1977, 22

[29] الترمذی، محمد بن عیسیٰ، سنن الترمذی، بیروت: دار الغرب الإسلامی، 1998ء، جلد 4، صفحہ 248، حدیث: 2516

[30] الترمذی، محمد بن عیسیٰ، سنن الترمذی، بیروت: دار الغرب الإسلامی، 1998ء، جلد 3، صفحہ 338، حدیث: 1952

[31] اقبال، محمد، کلیاتِ اقبال (اردو)، بالِ جبریل، لاہور: اقبال اکیڈمی پاکستان، 1990ء، صفحہ 435

[32] البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، بیروت: دار طوق النجاۃ، 1422ھ، جلد 8، صفحہ 38، حدیث: 6129

[33] ابن قیم الجوزیہ، محمد بن ابی بکر، تحفۃ المودود بأحکام المولود، دمشق: دار البیان، 1971ء، صفحہ 229

[34] اقبال، محمد، کلیاتِ اقبال (اردو)، ارمغانِ حجاز، لاہور: اقبال اکیڈمی پاکستان، 1990ء، صفحہ 660